مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

عقل کی برتری اور تفوق

اسلام میں جب بھی کسی گروہ نے اپنے تصورات و نظریات کو داخل کرنا چاہا تو اس نے سب سے پہلے عقل کی برتری اور اس کی فرمانروائی کا چرچا کیا اور کہا کہ چونکہ مروجہ نظریات و خیالات و افکار ذہن انسانی سے مطابقت نہیں رکھتے اس لئے انہیں رد کر کے اس کی جگہ ایسے افکار و نظریات لانا ضروری ہے جو عقل کے عین مطابق ہوں۔ عقل سے مراد وہ نظریات مراد ہوتے ہیں جو اس دور کے غالب رجحانات کی عکاسی کریں۔ معتزلہ نے بھی یونانی افکار و نظریات سے ذہنی طور پر شکست کھا کر یہی کچھ کیا۔ اور عقل کی بنا پر زور دیا کہ شریعت میں فیصلہ کن حیثیت رسول کی بجائے عقل کو حاصل ہو اور انہیں وہ سارے اعمال و تصورات شریعت سے خارج کرنے میں آسانی رہے۔ جو ان کے زعم کے مطابق خلافِ عقل ہیں۔ چنانچہ معتزلہ نے اپنے مخصوص نظریات "عدل" اور "توحید" کی بنا پر پل صراط، میثاق، اور معراج کا انکار کیا اور ان ساری احادیث کو رد کر دیا جن میں ان کا ثبوت ملتا ہے۔

عقل کی برتری اور تفوق ان کے عقیدہ کا جزو لاینفک تھا۔ وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالےٰ نے فی نفسہٖ سے اجتناب کا حکم دیا ہے وہ فی نفسہٖ بری اور انسان کی نظروں میں پسندیدہ ہیں اس طرح جن چیزوں کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ اس لئے ہے کہ وہ چیزیں فی نفسہٖ اچھی ہیں اور انسانی عقل انہیں پسند کرتی ہے۔
(تجدید مذہب ص ۱۸۰)

عقل کا جائز مقام قرآن کریم میں بے شمار ایسی آیات وارد ہوئی ہیں، جن میں عقل انسانی سے اپیل کی گئی ہے۔ جو وہ کائنات میں بکھری ہوئی

لاتعداد اللہ کی نشانیوں میں غور و فکر کرے۔ کبھی انسان کی توجہ ہواؤں کی تصریف و تصرف کی طرف مبذول کرائی گئی ہے۔ تو کبھی سورج، چاند اور ستاروں کی حرکات اور دن رات اور موسم کی تبدیلی کی طرف، کبھی نباتات کی روئیدگی اور اس کی مختلف منازلِ حیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور کہیں حیوانات کی تخلیق اور ان سے حاصل ہونے والے فوائد کی طرف، کبھی عالم آفاق میں قدرتِ الٰہی پر واضح شواہد کی طرف توجہ کی دعوت دی گئی ہے۔ تو کبھی انسان کے اپنے اندر کی دنیا کی طرف۔ غرض یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ قرآنِ کریم کا ایک متعدد بہ حصہ ایسی آیات پر مشتمل ہے جن میں انسان کو اپنے اندر اور باہر کی دنیا میں سوچنے، غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے کہ کس طرح نباتات کا پتہ پتہ، پھولوں کی ہر پنکھڑی، شجر و حجر اور شمس و قمر شہادت دے رہے ہیں کہ وہ قدرت کے مختلف اسرار کا مجموعہ اور خالقِ کائنات کے علم و حکمت کے واضح شواہد ہیں۔ اس غور و فکر سے انسان کو دو طرح کے فوائد حاصل ہوتے ہیں:۔

۱۔ پہلا یہ کہ انسان ان کے خواص و تاثیرات معلوم کر کے ان سے متمتع ہو سکتا اور ان سے اپنے کام لے سکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرما دیا کہ:

سخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض (۴۵/۱۳) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب تمھارے قابو میں کر دیا ہے۔

یعنی کائنات کی ہر چیز کو انسان کا تابع فرمان بنا دیا گیا۔ اب اسے کام میں لانا انسان کا اپنا کام ہے۔ اور فائدہ غور و فکر اور عقل کو کام میں لانے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

۲۔ جب انسان اشیائے کائنات کا تحقیق و تدقیق سے مطالعہ کرتا ہے اور ان میں غرق ہو کر ان کے پوشیدہ اسرار و رموز اور حکمتوں سے آگاہی حاصل کرتا ہے۔ تو یہ باتیں اسے خود خالقِ کائنات کے وجود اور اس کے محیر العقول علم و حکمت کی طرف واضح نشاندہی کرتی ہیں۔ اور بے اختیار اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلتے ہیں:۔

ربنا ما خلقت ھذا باطلا (۳/۱۹۱) اے پروردگار! تو نے اس کائنات کو عبث نہیں پیدا کیا۔

عقل اور ہدایت آیاتِ الٰہی سے مندرجہ بالا نتائج ماخوذ کرنے کی تائید میں ہم یہاں ایک واقعہ درج کرتے ہیں۔ جو علامہ عنایت اللہ خان

مشرقی کو اس دوران پیش آیا۔ جب وہ انگلستان میں زیر تعلیم تھے۔

۱۹۰۹ء کا ذکر ہے اتوار کا دن تھا اور روز کی بارش ہو رہی تھی۔ میں کسی کام سے باہر نکلا۔ تو جامع چرچ کے مشہور ماہر فلکیات پروفیسر جیمس جینز بغل میں انجیل دبائے چرچ کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے قریب ہو کر سلام کیا۔ تو وہ متوجہ ہوئے اور کہنے لگے "کیا چاہتے ہو؟" میں نے کہا "دو باتیں"۔ اوّل یہ کہ زور سے بارش ہو رہی ہے اور آپ نے چھاتہ بغل میں داب رکھا ہے۔ سر جیمس جینز اس بدحواسی پر مسکرائے اور چھاتہ تان لیا۔ دوم یہ کہ آپ جیسا شہرۂ آفاق آدمی گرجا میں عبادت کے لئے جا رہا ہے؟ میرے اس سوال پر پروفیسر جینز لمحہ بھر کے لئے رک گئے اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

"آج شام میرے ساتھ چائے پیو"

چنانچہ میں شام کو ان کی رہائش گاہ پر پہنچا۔ ٹھیک چار بجے لیڈی جینز باہر آ کر کہنے لگیں "سر جیمس تمہارے منتظر ہیں"۔ اندر گیا تو ایک چھوٹی سی میز پر چائے لگی ہوئی تھی۔ پروفیسر صاحب تصورات میں کھوئے ہوئے تھے۔ کہنے لگے "تمہارا سوال کیا تھا؟" اور میرے جواب کا انتظار کئے بغیر، اجرام سماوی کی تخلیق، اس کے حیرت انگیز نظام، بے انتہا پہنائیوں اور فاصلوں، ان کی پیچیدہ راہوں اور مداروں، نیز باہمی روابط اور طوفان ہائے نور پر ایمان افروز تفصیلات پیش کیں۔ کہ میرا دل اللہ کی اس کبریائی و جبروت پر دہلنے لگا اور ان کی اپنی یہ کیفیت تھی کہ سر کے بال سیدھے اٹھے ہوئے تھے۔ آنکھوں سے حیرت و خشیت کی ملوّن کیفیتیں عیاں تھیں۔ اللہ کی حکمت و دانش کی ہیبت سے ان کے ہاتھ قدرے کانپ رہے تھے۔ اور آواز لرز رہی تھی۔ فرمانے لگے "عنایت اللہ خان!" جب میں خدا کی تخلیق کے کارناموں پر نظر ڈالتا ہوں تو میری تمام ہستی اللہ کے جلال سے لرزنے لگتی ہے اور جب میں کلیسا میں خدا کے سامنے سرنگوں ہو کر کہتا ہوں "تو بہت بڑا ہے"۔ تو میری ہستی کا ہر ذرہ میرا ہمنوا بن جاتا ہے مجھے بے حد سکون اور خوشی نصیب ہوتی ہے۔ مجھے دونوں کی نسبت عبادت میں ہزار گنا زیادہ کیف ملتا ہے۔ کہو عنایت اللہ خاں! تمہاری سمجھ میں آیا کہ میں کیوں گرجے جاتا ہوں؟"

علامہ مشرقی کہتے ہیں کہ پروفیسر جیمز کی اس تقریر نے میرے دماغ میں عجیب کھرام پیدا کر دیا۔ میں نے کہا۔ "جناب والا! میں آپ کی روح پرور تفصیلات سے بے حد متاثر ہوا ہوں اس سلسلہ میں قرآن مجید کی ایک آیت یاد آگئی ہے۔ اگر اجازت ہو تو پیش کروں؟" فرمایا ضرور! چنانچہ میں نے یہ آیت پڑھی ۔

ومن الجبال جدد بیض وحمر	اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ رنگوں کے قطعات
مختلف الوانها وغرابیب سود ومن	ہیں اور بعض کالے سیاہ ہیں۔ انسانوں، جانوروں
الناس والدواب والانعام مختلف	اور چارپایوں کے بھی کئی طرح کے رنگ ہیں ۔
الوانه کذالک انما یخشی	خدا سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں
الله من عباده العلمٰؤا (۳۵ / ۲۷-۲۸)	جو صاحب علم ہیں ۔

یہ آیت سنتے ہی پروفیسر جیمز بولے :۔

"کیا کہا؟ اللہ سے صرف اہل علم ڈرتے ہیں؟ حیرت انگیز، بہت عجیب۔ یہ بات جو مجھے پچاس برس کے مسلسل مطالعہ سے معلوم ہوئی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کس نے بتائی؟ کیا قرآن میں واقعی یہ بات موجود ہے؟ اگر ہے تو میری شہادت لکھ لو کہ قرآن ایک الہامی کتاب ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان پڑھ تھے۔ انہیں یہ حقیقت خود بخود نہ معلوم ہو سکتی تھی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے انہیں بتائی تھی۔ بہت خوب۔ بہت عجیب!" (علم جدید کا چیلنج مولفہ وحید الدین خان حسن ۲۱۵ تا ۲۱۷)

یہ ہیں وہ نتائج جو اشیائے کائنات میں غور و خوض کرنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتے ہیں اور جن کی طرف قرآن نے ہر شخص کو دعوت دی ہے۔ اب اس کے برعکس ایک دوسرا واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیے ۔

عقل اور ضلالت

سر چارلس ڈاروِن (۱۸۰۸ - ۱۸۸۲ء) اور پہلا مغربی مفکر ہے جس نے انسان کی تخلیق کے مسئلہ میں نظریہ ارتقا کو باضابطہ طور پر پیش کیا وہ کہتا ہے کہ آج سے ۲ ارب سال پیشتر سمندر کے ساحل کے قریب پایاب پانی کی سطح پر کائی نمودار ہوئی۔ پھر اس کائی کے کسی ذرہ میں "کسی نہ کسی طرح" حرکت پیدا ہوئی تھی۔ یہی اس دنیا میں زندگی کی پہلی نمود تھی۔ اسی حیات سے

بعد میں نباتات اور اس کی مختلف شکلیں وجود میں آئیں ۔ پھر حیوانات وجود میں آئے اور بالآخر بندر کی نسل سے انسان پیدا ہوا ہے ۔

ڈارون کی تحقیق وتدقیق اپنے مقام پر بجا اور درست ۔ یہ صحیح ہے یا غلط یہ ہم کسی اور مقام پر زیر بحث لائیں گے ۔ واقعہ یہ ہے کہ ڈارون پر اس تحقیق وتدقیق کا یہ اثر ہوا کہ وہ بالآخر خدا کا منکر ہو کر مرا تھا ۔ ابتداً وہ "لا ادریت" کی طرف مائل تھا اسی وجہ سے اس نے یوں کہا تھا کہ اس کائی میں "کسی نہ کسی طرح" زندگی پیدا ہو گئی ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اس وقت خدا کی ہستی کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار تھا ان ہر دو واقعات سے ہم ان نتائج تک پہنچتے ہیں کہ :

(۱) اگر عقل وحی کے تابع ہو کر چلے تو یہ خالق کائنات پر بے پناہ ایمان ویقین کا سبب بنتی ہے ۔

(۲) اگر عقل وحی سے بے نیاز ہو کر چلے تو بسا اوقات ضلالت وگمراہی کی انتہائی پہنائیوں میں جا گرتی ہے ۔

یہیں سے عقل اور وحی کے مقامات کا تعین ہو جاتا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی عقل انتہائی محدود ہے ۔ اور یہ کائنات لا محدود ہے ۔ پھر اس کائنات کی ایک ایک چیز کی حقیقت کے ادراک سے عقل قاصر ہے ۔ عقل کی مثال آنکھ کی طرح ہے ۔ اور وحی وہ خارجی روشنی ہے ۔ جس کی موجودگی میں عقل صحیح راستہ پر چل سکتی ہے ۔ وحی خالق کائنات ہی علم و حکمت کا دوسرا نام ہے ۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ اشیائے کائنات کی حقیقت کا علم خالق کائنات سے اور زیادہ کون جان سکتا ہے ۔ لہذا جو عقل وحی کی روشنی سے بے نیاز ہو کر اپنا راستہ تلاش کرے گی وہ ہمیشہ تاریکیوں میں ہی بھٹکتی رہے گی اور یہی کچھ ابتدائے آفرنیش سے لے کر آج تک عقل اور اہل عقل کے ساتھ ہوتا رہا ہے ۔ اور آئندہ بھی یہی کچھ ہوتا رہے گا ۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اس عقل کو ۔ جو وحی کی روشنی سے فائدہ نہیں اٹھاتی ۔ حیوانی سطح کی عقل سے بھی فروتر قرار دیا گیا ہے ۔ ارشاد باری ہے ۔

ان شر الدواب عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلون (۸/۲۲)	یقیناً اللہ کے نزدیک سب سے بد تر حیوانی وہ (انسان) ہیں جو کچھ سمجھتے ہی نہیں ۔

دوسرے مقام پر فرمایا۔

ولقد ذرانا لجهنم کثیرا من
الجن والانس لهم قلوب لا یفقهون
بها ولهم اعین لا یبصرون بها ولهم
اذان لا یسمعون بها اولئک
کالانعام بل هم اضل اولئک
هم الغفلون (۷/۱۷۹)

اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں۔ اور ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ چارپایوں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے یہی لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

گویا اس آیت کا ابتدائی حصہ بتا رہا ہے۔ کہ اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو وحی الہٰی پر ایمان نہیں لاتے ان کی عقل محض حیوانی سطح پر ہے۔ بلکہ اس سے بھی کم تر۔ کیونکہ وہ عقل وشعور رکھنے کے باوجود وحی کی روشنی سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

عقل کا دائرہ کار

بلاشبہ دین کے انتخاب کے بارے میں عقل کو حق دیا گیا ہے کہ وہ اس کے اصول ومبادیات کی جانچ پڑتال کرے۔ پھر چاہے تو اسے قبول کرے اور چاہے تو رد کر دے۔ کیونکہ دین کے اختیار کرنے میں کوئی مجبوری نہیں۔ لیکن دین کو قبول کرنے کے بعد عقل کو ہرگز یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ اس کے اہم اور بنیادی عقائد ونظریات پر ہی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دے۔ بلکہ اسے اب وحی کے تابع ہو کر چلنا چاہیئے اور یہ اتباع اندھی عقیدت کے طور پر نہیں بلکہ علیٰ وجہ البصیرت ہونا چاہیئے۔ لہٰذا ہمارے خیال میں عقل کے کام مندرجہ ذیل قسم کے ہونے چاہئیں۔

(۱) وحی کے بیان کردہ اصول واحکام کے اسرار اور حکمتوں کی توضیح وتشریح۔

(۲) احکام کے نفاذ کے عملی طریقوں پر زمانہ کے حالات کے مطابق غور کرنا اور پیش آمدہ رکاوٹوں کو دور کرنا۔ مثلاً وحی نے اگر سود کو حرام کر دیا ہے تو عقل کا کام یہ ہونا چاہیئے کہ وحی کی حدود کے اندر اس کو ختم کرنے کے لئے حل پیش کرے۔ پھر اگر عقل سود یا اس کی بعض شکلوں کو حرام سمجھنے کے بجائے اس کو "حلال" بنانے کے حیلے سوچنے لگے۔ تو عقل کے استعمال کا یہ رُخ قطعاً صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔

(۳) مادی نظریات کے مقابلہ میں وحی کے نظریات کی برتری ثابت کرنا۔ اور انہیں مدلل

طور پر پیش کرنا۔ اور اگر مادی نظریات سے عقل خود مرعوب ہو کر وحی میں کانٹ چھانٹ
اور اس کی دور از کار تاویلات کر کے اسے غیر دینی نظریات کے مطابق بنانے
کی کوشش کرے گی تو اس کا یہ کام دین میں تحریف شمار کیا جائے گا۔

(۴) تحریف شدہ ادیان پر اسلام کی بر دلائل برتری اور فوقیت ثابت کرنا اور بیرونی حملوں کا دفاع کرنا۔

(۵) انفس و آفاق کی وہ آیات جن میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ ان میں تحقیق و تفتیش کر کے انہیں آگے بڑھانا اور ان سے مطلوبہ فوائد حاصل کرنا۔ جن کی پہلے وضاحت کی جا چکی ہے۔

یہ اور اس جیسے کئی دوسرے کام ہیں۔ جن میں عقل سے کام لیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ سے فرمایا کہ اعلان کر دیجئے کہ:۔

قل ھذہٖ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا و من اتبعنی و سبحٰن اللہ وما انا من المشرکین (۱۲/۱۰۸)	کہہ دیجئے کہ میرا راستہ تو یہ ہے۔ کہ میں اور میرے پیروکار خدا کی طرف سمجھ بوجھ کی بنیاد پر دعوت دیتے ہیں۔ اور میں مشرکین سے نہیں ہوں۔

عقل کی ناجائز مداخلت

پھر وہ لوگ ذہنی طور پر جدید سائنسی نظریات سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ محض اس لئے کہ وحی اس کے ہمنوا نہیں ہوتی۔ تو وہ وحی سے ہی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ ان کے متعلق فرمایا۔

بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ و لما یاتھم تاویلہ کذلک کذب الذین من قبلھم (۱۰/۳۹)	بلکہ جس چیز کے علم پر یہ قابو نہ پا سکے اس کو جھٹلا دیا۔ حالانکہ ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں اسی طرح ان سے پہلے لوگ بھی جھٹلاتے رہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سائنس کے نظریات ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں۔ ایک دور میں ایک نظریہ قبول عام کا شرف حاصل کرتا ہے۔ تو تھوڑی ہی مدت کے بعد اس کی تردید شروع ہو جاتی ہے۔ پھر ایک تیسرا نظریہ سامنے آتا ہے۔ پھر کبھی سب سے پہلے نظریہ کی تردید ہو جاتی ہے تو وحی آخر کون سے نظریہ کا ساتھ دے؟ اور کیا باقی ادوار میں اس کو جھٹلا دیا جائے گا؟ اس بات کو ہم ایک مثال سے پیش کرنا چاہتے ہیں۔

ساتویں صدی قبل مسیح تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ زمین ساکن ہے اور سورج اس کے گرد حرکت کر رہا ہے۔ یونان کے ایک مفکر فیثا غورث (۵۹۰ ق م) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ زمین ساکن نہیں بلکہ متحرک ہے جو سورج کے گرد چکر کاٹ رہی ہے اور سورج اپنی جگہ پر ساکن (ثابت ہے) فیثا غورث کا یہ نظریہ یونان میں اتنا مقبول ہوا کہ اس کی باقاعدہ درس و تدریس شروع ہوگئی۔ بعد ازاں چوتھی صدی ق م میں یونان ہی کے ایک دوسرے مفکر بطلیموس نے اس نظریہ کی تردید کی۔ بطلیموس علم ہندسہ، ہیئت اور نجوم میں یکتائے روزگار تھا اور اس نے اجرام فلکی کی تحقیقات کے لیئے ایک رصد بھی تیار کی تھی۔ بطلیموس کے نظریہ کے مطابق مزید کو ساکن اور مرکز چار کرتے، سات آسمان اور ان پر سات سیارے، اٹھواں فلک ثوابت، آسمان کے بارہ برج یہ سب اسی نظریہ کے اجزاء ہیں۔ بطلیموس کے پیش رو ارسطو اور برخس بھی اسی نظریہ کے قائل تھے۔ بطلیموس کا نظریہ چار و نگ عالم میں بہت مشہور ہوا۔ مصر، یونان، ہند اور یورپ میں پندرھویں صدی عیسوی تک اسی نظریہ کی تعلیم دی جاتی رہی اور ۱۸۰۰ سو سال تک یہ نظریہ دنیا بھر میں مقبول رہا۔ جب قرآن نازل ہوا تو اس وقت یہی نظریہ درست سمجھا جاتا تھا۔ بعد ازاں (۱۹۰۳-۱۵۴۳) نے سولہویں صدی عیسوی میں زمین کی محوری گردش کا بھی اور سورج کے گرد سالانہ گردش کا بھی تصور پیش کیا بعد ازاں ایک اور ہیئت دان ٹیکو براہی نے کوپرنیکس کے نظریہ کو رد کر دیا اور تھوڑی سی ترمیم کے بعد اس سے پہلے نظریہ بطلیموس کو صحیح قرار دیا۔ بعد ازاں اٹلی کے ایک مفکر گیلیلیو (۱۵۶۴-۱۶۴۲ء) نے زمین کو مرکز تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کوپرنیکس کے نظریہ کی حمایت کی۔ چنانچہ پادریوں نے اسے مذہب کے خلاف مسائل قرار دے کر اسے مجرم گردانا چنانچہ وہ جیل میں ڈال دیا گیا۔ اور ایک سال بعد رہائی ہوئی۔ بعد ازاں سر آئزک نیوٹن (۱۶۴۲-۱۷۲۷) کے کوپرنیکس کے نظریہ کو اور تحقیقات پر پہنچایا۔ چنانچہ آج دنیا بھر میں یہی نظریہ صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔ جو فیثا غورث کے نظریہ کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ فیثا غورث نے جہاں یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ سورج ساکن (ثابت سیارہ) ہے اور ہماری زمین اور کئی دوسرے سیارے اس کے گرد چکر کاٹ رہے تھے۔ وہاں اس نے یہ نظریہ بھی پیش کیا تھا کہ اس وسیع کائنات میں سورج کی طرح ایک اور بھی کئی سیارے موجود ہیں۔ اور یہ عین ممکن ہے کہ یہ ثابت سیارے بھی اپنے خاندان سمیت کسی بہت بڑے

ثابت سیارے (ثابت الثوابت یا شمس الشموس) کے گرد چکر کاٹ رہے ہوں ۔ چنانچہ موجودہ دور کے ہیئت دانوں سے بھی اسی قسم کی صدائے بازگشت سنائی دے رہی ہے ۔

اب دیکھئے قرآن کریم میں ہے ۔

والشمس تجری لمستقر لها ۳۶/۳۸ { اور سورج اپنے مقرر راستے پر چلتا رہتا ہے (فتح محمد جالندھری)
اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف بڑھ رہا ہے (تفہیم القرآن)

لہٰذا جدید نظریات صرف اسی صورت میں قابل قبول سمجھے جائیں گے جبکہ وہ وحی سے مطابقت رکھتے ہوں ۔ بصورت دیگر ان نظریات کا یا تو بہ دلائل ابطال کرنا چاہیئے ۔ اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس وقت کا انتظار کرنا چاہیئے جبکہ یہ نظریہ وحی کے مطابق ہو جائے اور بالآخر یہ نظریہ سائنٹیفک تحقیقات کے بعد وحی کے مطابق ہونا لازم ہے ۔ کیونکہ وحی ایک حقیقت ہے ، اور نظریات انسان کی محدود عقل کا کرشمہ ۔

اپنے دور کی علمی سطح

بعض لوگ انہی جدید نظریات سے مرعوب ہو کر قرآن کریم میں تاویل و تحریف یا نئی تعبیر پیش کر کے بزعم خود قرآن کریم "اپنے علمی دور کی سطح کے مطابق" لانے کی کوشش میں مصروف ہو جاتے ہیں ۔ ہمارے خیال میں یہ کوئی دینی خدمت نہیں ہوتی ۔ بلکہ اس سے الحاد اور ذہنی انتشار کی راہیں پیدا ہو جاتی ہیں ۔ اب اگر ہر دور کے مفکر قرآن کو ہر دور میں علمی سطح کے مطابق لا کر نئی نئی تعبیریں پیش کرنے لگ جائیں تو کیا قرآن کے معانی و مطالب کا جو حشر ہو سکتا ہے وہ معلوم ہے ؟

معتزلین کسی سائنسی نظریہ سے نہیں بلکہ یونانی فلسفہ سے شدید متاثر تھے ایک انگریز مصنف ان کے متعلق لکھتا ہے :۔

"معتزلہ کی عقلیت کا اسلام کے نظام فکر میں جذب ہونا دشوار تھا ۔ اگر اعتزال کی تحریک کامیاب ہو جاتی تو اسلامی ثقافت انتشار اور برہمی کا شکار ہو جاتی ۔ اور اسلام کو اس سے ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ۔ ان کی علمی کاوشوں نے راسخ العقیدہ مسلمانوں کو بھی کسی حد تک اپنا ہمنوا بنا لیا تھا لیکن جب معتزلہ کی انتہا پسند جماعتوں نے اسلامی عقائد کو یونانی تصورات کے سانچے میں ڈھالنا شروع کیا اور قرآن کریم کی بجائے اپنے دینی عقائد یونانی

فلسفہ سے اخذ کرنا شروع کئے تو آخر الذکر طبقہ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔"
(ماخوذ از ایچ۔ اے۔ آر۔ گب)

معتزلہ کے زوال کے اسباب

ہم دیکھ چکے ہیں کہ اعتزال کا فتنہ محض دولتِ عباسیہ کی پشت پناہی کے سہارے تقریباً سوا سو سال تک زندہ رہا۔ ورنہ امت کا اجتماعی ضمیر دین کے سادہ اصولوں کے مقابلہ میں ایسے فلسفیانہ عقائد کو گوارا کرنے کے لیے کسی وقت پر تیار نہ ہوا۔ تاہم بنظر غائر دیکھا جائے تو اس فرقہ کے زوال کے درج ذیل اسباب نظر آتے ہیں۔

(۱) محدثین کرام کا زبردست تحقیقی کام۔ جس نے مسلمانوں کے تمام سوچنے والے لوگوں کو مطمئن کر دیا۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت جن روایات سے ثابت ہے وہ ہرگز مشتبہ نہیں بلکہ نہایت معتبر ذرائع سے امت کو پہنچی ہیں۔ اور ان کو مشتبہ روایات سے الگ کرنے کے بہترین علمی ذرائع موجود ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جسم و اعتزال اور خوارج کے فتنوں وضعی روایات کی کثرت اور انکار حدیث کے عام میلان نے ہی علمائے دین کو احادیث کی تحقیق اور چھان پھٹک، راویوں پر جرح و تعدیل کے فن کو وجود میں لانے کی ضرورت کا شدید احساس دلایا۔ بمصداق

عدد سترے بر انگیزو کہ مادراں باشد

فن رجال کے امام اور معتبر مؤرخین نے اسی تیسری صدی ہجری میں اپنے اپنے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جن کی بناء پر امت نے وضعی روایات اور غیر اسلامی نظریات کو علی وجہ البصیرت رد کر دیا۔

(۲) علمائے دین نے قرآن کی ہی تصریحات سے یہ ثابت کر دیا کہ رسول اکرم ﷺ کی حیثیت محض ایک "نامہ بر" کی نہیں تھی جیسا کہ یہ لوگ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ آپ کو خدا نے معلم بنایا، مفسر قرآن، شارع قانون، قاضی اور حاکم بھی مقرر کیا تھا۔ لہٰذا جو شخص آپ کی پیروی سے آزاد ہو کر قرآن کی پیروی کا دعویٰ کرتا ہے وہ فی الحقیقت قرآن کا پیروکار نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں کی قرآنی تاویلات بھی کھل کر لوگوں کے سامنے آ

چکی تھیں۔ جو ایک دوسرے سے یکسر مختلف اور متضاد تھیں۔ لوگوں نے دیکھ لیا تھا کہ اگر قرآن سے سنت کا تعلق ختم کر دیا جائے تو دین کا حلیہ کس بُری طرح سے بگڑ جاتا ہے۔

(۳) امت کا اجتماعی ضمیر یہ تصور بھی اپنے ذہن میں نہ لا سکتا تھا کہ مسلمان رسول کی پیروی سے آزاد بھی ہو سکتا ہے۔ جو آج تک متواتر امت مسلمہ میں چلی آ رہی تھی۔ چند سر پھرے انسان تو ہر زمانہ اور ہر قوم میں ایسے نکل سکتے ہیں جو ایسی باتوں میں ہمنوا بن جائیں لیکن پوری امت کا سر پھرا ہو جانا مشکل ہے۔ چنانچہ امت مسلمہ اس بات پر قطعاً آمادہ نہ ہو سکی کہ زندگی کا ایک نیا نظام ایسے لوگوں کے ہاتھوں بنوایا جائے جو دینا کے مادی فلسفہ اور تخیل سے متاثر ہو کر اسلام کا ایک جدید ایڈیشن پیش کرنا چاہتے تھے۔

(۴) اعتزال کی تحریک کو حکومت عباسیہ کی حمایت حاصل تھی۔ لیکن امت کے اجتماعی تاثر سے خلیفہ واثق باللہ خود بھی متاثر ہو چکا تھا رہی سہی کسر اس مناظرہ نے نکال دی جس نے اس کے ذہن کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ بعد میں جب خلیفہ متوکل علی اللہ نے اعتزال کی جانب سے یکسر منہ موڑ لیا تو یہ تحریک اپنی موت آپ مر گئی۔

نتائج

جسم و اعتزال کی تحریک کے مطالعہ کے بعد مندرجہ ذیل نتائج واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔

(۱) جب کبھی اسلام میں نئے نظریات کو داخل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ بالعموم اس دَور کے غالب رجحانات سے ذہنی شکست خوردگی کا نتیجہ ہوتا ہے خواہ یہ نظریات فلسفہ سے تعلق رکھتے ہوں یا سائنس سے۔

(۲) ان نظریات کو تسلیم کروانے کے لئے عقل کی برتری اور تفوق کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ عقل کی برتری و تفوق جسم و اعتزال دونوں کے عقیدہ کا جزو تھا۔

(۳) ان نظریات کی پہلی احادیث اور بالخصوص خبر واحد پر پڑتی ہے۔ جن میں طرح طرح

سے شکوک وشبہات پیدا کر کے انہیں فانی اور ناقابل قرار دیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہی احادیث نئے نظریات کو اسلامی عقائد میں داخل کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوتی ہیں۔ امام ابن تیمیہ ان لوگوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ :-

"یہ لوگ آنحضرت ؐ کی احادیث کو اس لئے نہیں مانتے کہ وہ احاد ہیں اور ان سے علم حاصل نہیں ہوتا اور ذہنی خیالات اور باطل شبہات کو قبول کر لیتے ہیں۔ جو معتزلہ جہمیہ اور فلاسفہ سے منقول ہیں۔ اور ان کا نام براہن عقلیہ رکھ لیتے ہیں۔" (صواعق جلد ۲۔ ص ۲۷۵ بحوالہ جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث ص ۲۱۹) اس لئے معتزلہ قانون اسلامی کے ماخذ میں سے حدیث اور اجماع کو قریب قریب ساقط کر دیتے ہیں۔ (الفرق بین الفرق ص ۱۲۷ بحوالہ خلافت و ملوکیت ص ۲۱۹) پھر جسم و اعتزال چونکہ مسئلہ تقدیر میں متضاد خیالات رکھتے ہیں۔ لہٰذا جو احادیث جہم کے نزدیک مردود تھیں وہی اعتزال کے نزدیک صحیح ترین تھیں۔ اسی طرح جو احادیث معتزلہ کے ہاں ناقابل قبول تھیں وہی جہمیہ کے ہاں قبول تھیں۔ اور دونوں عقلی دلائل سے ان احادیث کو رد و قبول کا شرف بخشتے تھے۔

(۴) حدیث کی حجیت سے انکار کے بعد قرآن کی من مانی تاویلات کی گنجائش نکل آتی ہے لیکن یہاں بھی متضاد صورت کے باعث یہی صورت حال تھی۔

(۵) حدیث کی حجیت سے انکار اور قرآن کی تاویل لازم و ملزوم ہوتی ہے۔ جو شخص حدیث سے انکار کرے گا وہ لازمی طور پر قرآن کی کوئی نئی توجیہ پیش کرے گا۔